31

دین کے کام ذاتی لگن اور انہماک سے کریں

(فرمودہ ۳۱ر اگست ۱۹۲۳ء)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

میں نے پچھلے سے پچھلے جمعہ میں اس بات کے متعلق کچھ بیان کیا تھا کہ مومن کو دینی کام کس طرح کرنا چاہیئے اور اس میں یہ بتایا تھا کہ خدا تعالیٰ کے احکام کے تمام بنی نوع انسان مخاطب ہیں۔ خاص انبیاء ہی اس کے مخاطب نہیں۔ شریعت کے تمام احکام ہر ایک انسان کے لئے ہیں۔ پھر میں نے بتایا تھا کہ خدا تعالیٰ اپنے اور بندہ میں کوئی وسیلہ نہیں بنانا چاہتا۔ وہ کبھی ایسے آدمی کو مبعوث نہیں کرتا جو اس کے اور بندہ کے درمیان وسیلہ ہو۔ یہ جو کچھ میں نے بیان کیا تھا۔ اس کی موٹی مثال تو یہ ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص دس آدمیوں کی دعوت کرے اور جس محلہ میں وہ دس آدمی رہتے ہوں۔ وہاں کے ہی ایک شخص کو ان کے بلانے کے لئے دعوت کرنے والا کہدے۔ تو اس شخص کے پیغام کے ذریعہ سے جو آدمی دعوت پر گئے ہوں اس کے یہ معنے نہیں کہ اس کی سفارش سے اور اس کی وجہ سے باقی لوگ دعوت پر گئے ہیں۔

لیکن وسیلہ کے عام معنے جو رائج ہیں ان میں اور واسطہ و رہنما میں یہ فرق ہے کہ جیسے کوئی بادشاہ یا حاکم ہو۔ اس کے مکان پر کچھ لوگ آئیں۔ بادشاہ کی یہ غرض نہ ہو کہ وہ لوگ اس کے مکان پر آئیں۔ لیکن ایک شخص بادشاہ کا پیارا ہے۔ وہ اس کے پاس سفارش کرتا ہے کہ ان کو آنے دو تو ان کو بادشاہ اپنے مکان پر آنے کے لئے اجازت دے دے گا۔ یہ تو وسیلہ ہے اور ہادی و رہنما میں بظاہر تو یہی بات نظر آتی ہے کیونکہ ان کے بتائے ہوئے رستہ پر چلنا پڑتا ہے لیکن پھر بھی وہ وسیلہ نہیں ہوتے کیونکہ بے شک ان کے بتائے ہوئے رستہ پر تو ہم چلیں گے لیکن یہ نہیں کہ ان کی وجہ سے ہم اس رستہ پر چل کر خدا تک پہنچیں گے بلکہ ہمارا خدا کے ساتھ براہ راست تعلق ہو گا جس کے لئے ہم کو اس رستہ پر چلنا پڑتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص کو ایک جگہ معلوم ہو گئی ہے۔ وہ اس جگہ کا اور اس کے راستہ کا واقف ہے۔ اس جگہ تک پہنچنے کے لئے ہم اس کے پیچھے

پیچھے چلیں گے۔ اب اس کے ذریعہ سے تو بے شک ہم خاص جگہ کو جا رہے ہیں لیکن اس کی وجہ سے نہیں بلکہ اس جگہ کی وجہ سے اس کے پیچھے چل رہے ہیں۔ تو یہ ایک ذریعہ ہے اور ایسا شخص جس کے پیچھے ہم چل رہے ہیں وہ ہادی اور رہنما کہلائے گا۔ پس رہنما کا تو صرف یہ مطلب ہے کہ وہ بھی وہیں جاتا ہے اور ہم بھی وہیں جاتے ہیں۔ فرق اس میں اور ہم میں یہ ہے کہ اس کو کسی طرح سے اس جگہ کا اور رستہ کا پہلے علم ہو گیا ہے۔ اور ہمیں علم نہیں ہے اس وجہ سے اس کے پیچھے چلنا پڑتا ہے اور وہ ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ جس راہ پر وہ جا رہا ہے اگر ہم اس راہ پر نہیں چلیں گے تو منزل مقصود پر ہم نہیں پہنچیں گے۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ ہمارے وہاں جانے کے لئے وسیلہ نہیں اور ہم اس کی وجہ سے نہیں جا رہے۔

پس نبی جو دنیا میں مبعوث ہوتے ہیں اور ولی بزرگ دنیا میں آتے ہیں وہ اسی لئے آتے ہیں کہ وہ خدا تک پہنچنے کا رستہ بندوں کو بتائیں۔ اس رستہ پر چل کر بندے خداتعالیٰ تک پہنچیں۔ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ ان کی وجہ سے ہم خدا تک پہنچتے ہیں۔ خدا کا تعلق تو ہر بندہ سے براہ راست ہے اور درمیان میں کوئی وسیلہ نہیں نہ کوئی نبی وسیلہ ہے نہ کوئی ولی۔ میری غرض اس بات کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ اس کے نہ سمجھنے کی وجہ سے عام لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ ان کا کیا کام ہے اور کام کس طرح کرنا چاہیئے اور نہ ان کے اندر اس کام کے لئے جوش پیدا ہوتا ہے۔

عام طور پر لوگوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ اصل مقصود انبیاء و اولیاء ہی ہیں اور ہمارا کوئی کام نہیں اور نہ ہمارا خدا کے ساتھ کوئی براہ راست تعلق ہے۔ اس کی مثال تو ایسی ہی ہے کہ ایک شخص کو عدالت سے آواز آئے تو اس کے دوست بھی دیکھنے کے لئے ساتھ چلے جائیں تو ان کے اندر وہ جوش نہیں ہو گا جو اس صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ ان کو بھی عدالت میں بلایا جائے۔ اسی طرح چونکہ عام لوگوں کے دلوں میں یہ خیال بیٹھا ہوا ہے کہ نبی ہی مقصود ہیں اور ان کو یہ خیال نہیں کہ ہم بھی بلائے گئے ہیں اس لئے ان کے اندر وہ جوش نہیں جو اس صورت میں ہونا چاہیئے جبکہ ان کو یہ خیال ہو کہ انہیں بلایا گیا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ تمام انبیاء جیسے حضرت ابراہیمؑ موسیٰؑ وعیسیٰؑ یا رسول کریمؐ تھے۔ یہ اپنے اپنے زمانہ میں چونکہ خدا کی محبت اور اس کے قرب میں بڑھ گئے تھے اس لئے ہمیں ان کے پیچھے چلنا پڑا اور وہ ہمارے ہادی اور رہنما بن گئے۔ ورنہ خداتعالیٰ نے تو کسی کو اپنی طرف بلانے میں فرق نہیں رکھا۔ اس نے تو جیسے انبیاء کو بلایا ویسے ہی ہم کو بلایا۔ فرق صرف محنت کا ہے۔ کسی نے اس کی طرف جانے میں اور اس تک پہنچنے کے لئے زیادہ محنت کی۔ اور زیادہ پیارا ہو گیا۔ یہ تو ہر شخص کی محنت ہے رسول اللہ نے چونکہ سب سے بڑھ کر محنت دکھلائی اس لئے وہ خداتعالیٰ کے زیادہ مقرب ہو گئے۔ یہ اپنی اپنی محنت ہے۔ ورنہ

خدا تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ سب بندے اس کے بلانے کے لحاظ سے برابر ہوں۔ کسی شخص کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ انبیاء کو اس لئے خاص طور پر مخاطب کرتا ہے کہ صرف وہی مقصود ہیں بلکہ اس لئے مخاطب کرتا ہے کہ وہ اس کے پیارے اور محبوب بن جاتے ہیں اور اس تک پہنچنے کے لئے سب سے آگے ہوتے ہیں۔

پس جبکہ سارے کے سارے خدا تعالیٰ کے یکساں مخاطب ہیں تو اب سوال یہ ہے کہ ہم لوگوں کو دینی کام کی ذمہ داری کس طرح اٹھانی چاہیئے۔ یہ سوال تو حل ہو گیا کہ تمام بندے اس کے مخاطب ہیں۔ اس لئے ہم سب کام کے ذمہ دار ہیں۔ ہاں وہ اپنے پیاروں کے ذریعہ سے لوگوں کو مخاطب کرتا ہے اور سب سے مخاطب نہ ہونے کی ایک حکمت ہے اور بندہ کسی اور وجہ سے سب سے نہیں بولتا۔ خدا تعالیٰ کی تو سب سے نہ بولنے میں یہ حکمت ہے کہ اس کا بولنا ایک انعام ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ یہ انعام ہر شخص کو بغیر کوشش اور محنت کے دیا جائے اور بندہ کی ہر ایک کے ساتھ نہ بولنے کی یہ وجہ ہے کہ اس کی طاقت محدود ہے۔ مثلاً میں ہوں۔ میں ہر ایک کے ساتھ نہ بول سکتا ہوں نہ خط و کتابت کر سکتا ہوں اس لئے میں اگر ایک امیریا سیکرٹری یا پریذیڈنٹ کو حکم دوں کہ دوسروں کو یہ کہو کہ یہ کام کرنا ہے تو کیا دوسرے لوگ اس کام کے کرنے میں اس لئے سستی اختیار کر سکتے ہیں کہ میں نے ان کو براہ راست حکم نہیں دیا۔ میرے حکم کے جیسے امیر مخاطب تھے اسی طرح تمام لوگ مخاطب ہونگے حکم سب کے لئے یکساں ہو گا اور کوئی خاص آدمی اس حکم کا مقصود نہیں ہو گا۔ لیکن سب کو چونکہ براہ راست حکم نہیں دیا جا سکتا اس لئے امیریا سیکرٹری وغیرہ کے ذریعہ سے دیا جائے گا۔ پس جبکہ قرآن کریم تمام کے لئے ہے اور تمام مسلمان اس کے مخاطب ہیں تو تمام کی ذمہ داریاں یکساں ہونگی۔ جس طرح وہ احکام زید کے لئے فرض ہیں۔ اسی طرح بکر کے لئے۔ جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کے احکام فرض ہیں اسی طرح ہمارے لئے فرض ہیں۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ فلاں شخص اس پر عمل کرنے کا ہماری نسبت زیادہ حق رکھتا ہے۔ اس کے احکام پر عمل کرنا سب کا یکساں فرض ہے اور سب کا حق ہے۔ ابو بکرؓ کے اوپر کوئی زیادہ حق نہیں تھا کہ ان احکام پر عمل کریں اور لوگوں سے عمل کرائیں۔ جس طرح ان پر حق تھا کہ وہ اسلام کی حفاظت کریں اور لوگوں سے شریعت پر عمل کرائیں۔ اسی طرح ابو عبیدہ اور دیگر مسلمانوں کا حق تھا۔ عمرؓ پر جیسے اسلام کی حمائت اور حفاظت فرض تھی۔ بعینہٖ اسی طرح ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کا بھی فرض تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ عمرؓ کے پاس طاقت زیادہ تھی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ طاقتور زیادہ بوجھ اٹھائے گا اور کمزور کم لیکن حکم دونوں کے لئے یکساں تھا۔ جس قدر طاقت اس کے اندر ہے اس حد تک اس کے لئے احکام ہیں۔

پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہر دینی کام ہر مومن کا کام ہے۔ تو اب سوال یہ رہا کہ مذہبی کام کس طرح کریں۔ یہ سوال آسانی سے حل ہو جائے گا۔ اور میری اس تمہید کی یہی غرض تھی کہ میں تمہارے دلوں کو اس طرف لاؤں کہ جبکہ تمام احکام ہمارے لئے ویسے ہی فرض ہیں جیسے نبی کریم صلعم کے لئے تو کیا وجہ ہے کہ ہم ان احکام کے بجا لانے میں سستی کریں۔ میں تو کہتا ہوں کہ کوئی شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اگر یہ بھی خیال کرے کہ ان کی وجہ سے ہم احکام الہٰی پر عمل کرتے ہیں تو یہ بھی شرک ہے شرک سے پورا مجتنب اور پورا موحد انسان تب ہی بن سکتا ہے کہ اس کو یہ یقین ہو کہ میرے اور خدا کے درمیان کوئی وسیلہ نہیں۔ باقی یہ کہ اس نے خود اپنے ایک بندہ کو اپنے دوسرے بندوں کی راہنمائی کے لئے مقرر کر کے بھیجا۔ یہ تو خداتعالیٰ کی کمال محبت کا ثبوت ہے کہ اس نے ایک طاقت ور کو کمزور بندوں کے لئے مقرر کر دیا وہ تو خدا کی مخلوق کی خدمت کے لئے مقرر کئے گئے اور یہ اللہ تعالیٰ کی خاص محبت کی نشانی ہے۔ ہاں وہ اس خدمت کی وجہ سے انسانوں کے مخدوم بن گئے کیونکہ ہر کہ خدمت کرداو مخدوم شد۔ ورنہ خدا کی طرف سے تو وہ اسی لئے مقرر ہیں کہ لوگوں کو اٹھائیں اور خدا تک لے جائیں۔ وہ لوگوں کے پیغامبر ہیں۔ معین ہیں۔ وہ ستون اور سہارا تو ہیں لیکن وہ انسانوں میں اور خدا میں روک نہیں۔ یہ نہیں کہ وہی لوگوں کے خداتعالیٰ تک پہنچنے کی وجہ ہیں۔ بلکہ وہ تو اس لئے آئے کہ لوگ جو خداتعالیٰ سے دور تھے ان کو قریب لائیں کیونکہ خداتعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ اس کے بندے گرے رہیں۔ جیسے زمیندار گیہوں کو کاٹتا ہے اور اس کے بعض حصے زمین پر گرے رہ جاتے ہیں تو زمیندار سے اس حصہ کے رہ جانے سے یہ مطلب نہیں کہ اس کا مقصد ہے کہ وہ حصہ گرا رہے بلکہ اس کا مقصد تو یہی تھا کہ تمام کا تمام گھر لے جائے۔ اسی طرح جو بندہ چھوڑا جاتا ہے وہ خود رہتا ہے ورنہ خداتعالیٰ کے مقصود و مطلوب تو تمام انسان ہیں۔

پس ہر انسان کی طرف اسی طرح کلام الہٰی نازل ہوا ہے۔ جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ باقی اپنی اپنی طاقتوں کا فرق ہے۔ حکم میں کوئی فرق نہیں۔ اور یہ جو میں کہتا ہوں کہ حکم میں کوئی فرق نہیں۔ حکم میں سب برابر ہیں۔ اس کی میں نے پہلے بھی کچھ تشریح کی ہے۔ اور اب پھر بتاتا ہوں کہ کسی کی طاقت اگر کم ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے لئے حکم بھی کم ہے بلکہ حکم تو سب کے لئے برابر ہے لیکن جو شخص کمزور ہے وہ کم کام کرتا ہے مگر اس سے اس پر کوئی حرف نہیں آتا۔ مثلاً ہم لوگوں کو کہیں کہ جتنا تمہارے پاس روپیہ ہے وہ سب کا سب دین کے لئے دے دو۔ اب ایک کی جیب میں دس روپے ہوں وہ دس ہی دے گا اور دوسرے کی جیب میں اس سے کم ہوں تو وہ کم ہی دے گا۔ اب دس والے نے اس لئے دس نہیں دئے کہ اس کو حکم تھا زیادہ دیوے

اور نہ کم والے نے اس لئے کم دئے کہ اس کو اس سے کم حکم تھا۔ حکم دونوں کے لئے یہی تھا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ تمام دے دو۔ حکم میں وہ دونوں برابر ہیں۔ اسی طرح ایک شخص دین کی خدمت کے لئے دس گھنٹے دے سکتا ہے اور دوسرا پانچ گھنٹے۔ اب حکم تو دونوں کو اپنا وقت دینے کا ہے اب اگر دس گھنٹے والا پانچ گھنٹے دے تو وہ مجرم ہوگا اور پانچ گھنٹے جو دے سکتا تھا وہ پانچ گھنٹے ہی دے دے تو وہ مقرب ہو جائے گا۔ تو ہر ایک مومن دینی احکام کا ایک جیسا مخاطب ہے اور ہر مومن پر دین کی تمام ذمہ داریاں عائد ہوں گی۔ اب ہمیں اسی رنگ میں کام کرنے چاہئیں کہ وہ تمام کام ہم میں سے ہر ایک کے لئے فرض ہیں اور ہم میں سے ہر شخص ان کاموں کا اسی طرح ذمہ وار ہے جس طرح اپنے کاموں کا۔ مگر اس میں ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ ہم عقل سے اور سمجھ سے کام کریں۔ بیوقوف اور سست الوجود کی طرح کام نہ کریں۔ ایک ہوشیار سمجھدار و عقلمند کی طرح کام کریں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کام تو کرے لیکن وہ بیوقوف ہو یا پاگل ہو یا بیمار ہو یا جاہل ہو۔ اسی لئے اس کے کام کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ بہت سے لوگ دنیا میں ایسے ملتے ہیں جن میں کام کی قابلیت تو ہوتی ہے لیکن انہیں کام کرنے کا پتہ نہیں ہوتا۔ پھر بہت سے ایسے لوگ ملتے ہیں جن میں کام کرنے کی قابلیت ہی نہیں ہوتی۔ تو ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم دینی کام کریں اور سمجھ دار اور عقلمند آدمی کی طرح کام کریں۔ اب دیکھ لو دنیا میں عقلمند آدمی کس طرح اپنے کام کرتا ہے۔ عقلمند اپنے کاموں میں دو باتوں کو ہمیشہ مد نظر رکھتا ہے ایک تو یہ کہ اس کا کام کسی وجہ سے تباہ نہ ہو جائے۔ اس کے لئے کوئی حد بندی اور کوئی شرط نہیں لگائے گا اور اس کے لئے جائز ذرائع مہیا کرے گا بلکہ وہ یہ کہے گا کہ جس طرح سے ہو یہ کام پورا ہو جائے۔ دوسری بات یہ کہ اس کام کو شوق سے کرتا ہے۔ پس ایک تو یہ کہ عقلمند آدمی اس کام میں کامیاب ہونے کے لئے جس قدر صحیح و جائز ذرائع ہو سکتے ہیں انہیں مہیا کرتا اور استعمال کرتا ہے اور دوسرا یہ کہ وہ خود شوق سے اس کام کو کرتا ہے۔ دیکھو کیا کوئی عقلمند دنیا میں ایسا ہے جو اپنے کام کے لئے حد بندی مقرر کرتا ہو یا کوئی شرط قائم کرتا ہو جب کوئی عقلمند دنیا میں ایسا نہیں ملتا تو ایک مومن دینی کام میں کیونکر حد بندیاں اور شرطیں مقرر کر سکتا ہے۔ حد بندی کرنے والوں کی مثال تو یہ ہوتی ہے کہ کوئی آقا ظالم تھا جو اپنے نوکروں پر ظلم کرتا تھا۔ اس کے پاس ایک نوکر آیا اس نے کہا کہ جتنے کام ہیں وہ مجھے بتا دیجئے اور لکھ دیجئے۔ نوکر محنتی اور کام کرنے والا تھا۔ وہ تمام کام کر دیتا۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ آقا باہر سیر کو گھوڑے پر سوار ہو کر گیا اور اس نوکر کو اپنے ساتھ چلنے کے لئے حکم دیا گھوڑا شریر تھا۔ وہ آقا ایک جگہ اس گھوڑے پر سے گر گیا اور ایک رکاب میں آقا کا پاؤں پھنس گیا جس کی وجہ سے اس کا سر زمین سے گھسٹتا اور رگڑ کھاتا جاتا تھا۔ نوکر کو اس نے آواز دی کہ جلدی آؤ۔ اور میرا پاؤں اس رکاب سے نکالو۔ اس

نوکر نے وہ کاغذ نکال کر کہا۔ دیکھ لیں سرکار اس میں یہ شرط لکھی نہیں تو دیکھو یہ اس نوکر کا اپنا کام نہیں تھا۔ کیا اگر اس شخص کا اپنا بیٹا ہوتا تو وہ ایسا کر سکتا تھا اور وہ یہ جواب دے سکتا تھا۔ تو عقلمند انسان اپنے تمام کام کرتا ہے اور شوق سے کرتا ہے۔

دیکھو! دنیا میں کونسا کام ہے جو انسان اپنے گھر میں نہیں کر لیتا بد سے بدتر کام بھی لوگ اپنے گھروں میں کر لیتے ہیں۔ اپنے بچوں کا پاخانہ پیشاب دھوتے اور ان کی صفائی کرتے ہیں۔ کیا لوگ اپنے گھر کی صفائی نہیں کرتے۔ درزیوں کا کام ہے۔ بڑے سے بڑے گھرانوں میں سینے پرونے کا کام کیا جاتا ہے۔ مرمت کا پیشہ ہے۔ کئی ٹوٹی پھوٹی چیزوں کو بنا لیتا ہے معمار کا پیشہ ہوتا ہے کہیں سے ایک دو اینٹیں اکھڑی ہوں تو وہ لگا دیتا ہے گھر کے تھوڑے سے کام کے لئے معمار کو نہیں بلاتا۔ تو گھر میں وہ لوہار بھی ہوتا ہے ترکھان بھی ہوتا ہے قصاب بھی ہوتا ہے اپنے ہاتھ سے مرغی اور بکرا ذبح کرتا ہے اور اسے بناتا ہے۔ باورچی بھی ہوتا ہے دھوبی بھی بن جاتا ہے۔ غرضیکہ کونسا پیشہ ہے جو گھروں میں نہیں کیا جاتا۔ چونکہ اس کا وہ اپنا کام ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے کرنے میں دریغ نہیں کرتا۔ وہ گھر میں یہ تو نہیں کہتا کہ میں ہیڈ کلرک ہوں میں ڈپٹی ہوں۔ بڑے بڑے بادشاہ بھی گھر میں کام کرتے ہیں کہیں باغوں کو پانی دیتے ہیں کہیں لکڑی پھاڑ لیتے ہیں۔ سلطان عبدالحمید اپنے ہاتھ سے الماری بنا لیتا تھا۔ تو اپنے کام میں انسان کسی بات کی پروا نہیں کیا کرتا اور شرطیں بھی نہیں لگایا کرتا۔ دفتر میں تو چھ گھنٹے کے بعد کہہ دے گا کہ بس جی اب میرا وقت ختم ہو گیا۔ وہاں چھ گھنٹہ کی شرط لگائے گا۔ لیکن گھر کے کام میں وہ کبھی نہیں کہتا کہ نہیں کرتا اب وقت پورا ہو گیا ہے بلکہ ہر قسم کے کام کرتا ہے۔ پھر حد بندی نہیں لگاتا اور شوق سے کام کرتا ہے۔ کسی کا بچہ ڈوب رہا ہو اور وہ اس کو بچانے کے لئے جا رہا ہو اور کوئی شخص اسے منع کرے تو وہ انسان اگر جوش رکھتا ہو گا تب تو میرے خیال میں پہلے اس روکنے والے کا سر پھوڑے گا بعد میں اپنے بچے کو بچانے کی کوشش کرے گا۔ اسی طرح اگر دینی کام کو اپنا سمجھا جائے تو وہ کسی کے چڑانے یا روکنے سے اس کام کو نہیں چھوڑ سکتا۔ بعض لوگ چڑ جاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص چونکہ مجھے کہتا ہے اس لئے میں یہ کام نہیں کروں گا۔ ہم کہتے ہیں کیا اگر کسی کو کوئی کہے کہ بچہ کو مت نکالو یا اس کی خبر گیری نہ کرو تو کیا وہ بچہ کو غصہ میں آکر نکالے گا نہیں یا اس کی خبر گیری چھوڑ دے گا اس لئے کہ فلاں شخص نے اسے روکا یا اسے چڑانے کے لئے بار بار کہا کہ تم بچہ سے محبت کیا کرو اس کو مارو نہیں یا اس کی خبر گیری اچھی طرح سے کرو تو کیا وہ اس کی خبر گیری چھوڑ دے گا۔ ایسے آدمیوں کا جو کسی کے چڑانے یا روکنے کی وجہ سے دینی کام کو چھوڑ بیٹھتے ہیں تجربہ کیا جا سکتا ہے کہ انہیں بار بار کہا جائے کہ اپنے بچہ کو ضرور پڑھاؤ اور اس کی خبر گیری ضرور کرو پھر ہم دیکھیں گے کہ آیا وہ اسے پڑھانا چھوڑ دیتے

ہیں یا اس کی خبر گیری سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اس معاملہ میں ایسا نہیں کرتے تو دین میں ایسا کیوں کیا جاتا ہے۔ یا کیوں ایسا ہوتا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ کوئی اسے دینی کام کرنے کے لئے یاد دلانے والا نہیں اور کوئی محرک نہیں۔ کیا بچہ کی خبر گیری کرنے کے لئے یا اور ایسے ہی ضروری کاموں کے لئے اسے یاد دلانے کی ضرورت ہوتی ہے؟ اسے یہ یاد دلانے کے لئے کہ تم اپنے گھر کا فلاں کام کرو یا اپنے بچہ کی خبر گیری کرو۔ اس کے کتنے سیکرٹری ہیں اور کتنے پریذیڈنٹ ہیں جو اسے یاد دلاتے ہیں کہ اپنے بچہ سے محبت کرو یا خود تم کھانا کھاؤ۔ اگر خدا کا کام تم اپنا کام سمجھو تو پھر کسی کے یاد دلانے کی ضرورت نہیں۔ پس جب تک تمہارے دل میں خدمت دین کے لئے کم از کم اتنی ہی تڑپ نہ پیدا ہو جتنی کہ اپنے گھر کے کاموں کے لئے ہوتی ہے تب تک تم کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔ کوئی تم میں سے کہتا ہے کہ ہم مسجد سے دور چلے گئے اس لئے نماز باجماعت چھوٹ گئی یا کسی نے خبر نہ کی۔ ہم کہتے ہیں کہ کسی کے یاد نہ دلانے سے کھانا کھانا کیوں نہیں چھوٹ گیا۔ وہ کہے گا کہ روٹی کی بھوک اندر سے لگتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ دین کی محبت معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے اندر سے پیدا نہیں ہوتی اس لئے کسی کی یاد دہانی کا تم اپنے آپ کو محتاج سمجھتے ہو۔

پس جو اپنے آپ کو مومن سمجھتا ہے یا اپنے آپ کو مومن بنانا چاہتا ہے اس کے لئے میں یہ بتاتا ہوں کہ ہر ایک دینی کام کو اپنا فرض سمجھو اور پھر اسے اپنا کام خیال کرو۔ نہ کسی کے یاد دلانے کی ضرورت ہو۔ نہ کسی کے چڑانے یا روکنے سے اس کام کو چھوڑ دو۔ کیا تم اپنے کام میں کسی کے یاد دلانے کی ضرورت سمجھتے ہو۔ پھر کیا وجہ ہے کہ دینی کاموں میں بار بار کسی کے یاد دلانے کی ضرورت محسوس کرتے ہو یا شرطیں لگائی جاتی ہیں اگر دین تمہارا ہے تو پھر کوئی شرط نہیں تم لگا سکتے۔ سارے کا سارا دینی کام جب تمہارا کام ہے تو اسے اسی شوق و محبت سے کرو جس شوق و محبت سے دنیا میں اپنا کام کیا جاتا ہے۔ یہ خلاصہ ہے مومن کے کام کا۔ اگر اسی طرح کام کیا جائے تو جماعت اس تیزی سے ترقی کر سکتی ہے کہ ایک تیز سے تیز ٹرین بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مگر ایسے لوگوں نے کیا کام کرنا ہے جو کچھ کام ہو دوسروں کے ذمہ لگا دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ کام ہمارے کرنے کا نہیں۔ فلاں لوگ کریں گے۔ اور کچھ کام جو اپنے ذمہ لیتے ہیں انہیں بھی اس وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں کہ فلاں نے انہیں کیوں بار بار ان کاموں کے لئے کہا۔ اگر یاد نہ دلایا جائے تب تو یہ شکایت کہ کیوں یاد نہ دلایا گیا۔ اور اگر یاد دلایا جائے تب یہ شکایت کہ بار بار کیوں یاد دلایا جاتا ہے۔ ایسی کوری و غافل قوم کب دنیا میں ترقی کر سکتی ہے۔ ایک تو پہلے کام کو تقسیم کر کے دوسروں کے ذمہ ڈال دیا اور پھر اس سے بھی بڑھ کر ایک اور قیامت یہ کہ جو کام اپنے ذمہ رکھا اس کے متعلق اگر کوئی یاد دلائے تو کہتے ہیں کہ ہمارے پیچھے پڑ گئے ہماری ہتک ہو گئی ہمیں ذلیل کر دیا۔ ان

لوگوں کی مثال بالکل اسی شخص کی سی ہے۔ جو شادی میں نیوندرا نہیں دینا چاہتا اور اس کے لئے بہانہ تلاش کرتا تھا۔ آخر کوٹھے پر چڑھ کر زور زور سے پاؤں مارنے لگا۔ گھر والوں نے پوچھا کہ اوپر کون ہے۔ اس پر یہ کہہ کر روٹھ گیا کہ اچھا ہم کون ہوئے اور چلا گیا۔ تو ایسے لوگ ہمیشہ بہانہ ڈھونڈتے ہیں کہ کسی طرح ہمیں خدمت دین کا کام جو طوق کی مانند نعوذ باللہ لعنت ہو کر ان کے گلے پڑا ہوتا ہے نہ کرنا پڑے گو مومن کا یہ کام ہے کہ جس طرح وہ اپنے کام کرتا ہے اسی طرح دین کا کام کرے۔

میں نے تو کبھی نہیں دیکھا کہ کسی کی نمبردار کے ساتھ لڑائی ہو جائے اور ڈپٹی کمشنر اسے بلائے تو وہ نہ جائے۔ پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ خدا نے جو کام تمہارے ذمہ لگایا ہے اسے کسی کے ساتھ لڑائی کی وجہ سے چھوڑ دو۔ تمہارا کوئی محبوب ہو اور تم اس کے پاس جا رہے ہو کہ رستہ میں لڑائی ہو جائے تو پھر کیا تم واپس آجاؤ گے پس جب تم اپنے مطلوب کو کسی سے لڑائی ہو جانے پر متروک نہیں کر سکتے تو کس طرح ہو سکتا ہے کہ تم کسی کے پیچھے نماز پڑھنا اس لئے چھوڑ دو کہ کسی سے تمہاری لڑائی ہو گئی تھی مگر بعض مقتدیوں نے بعض اماموں کے پیچھے نماز چھوڑ دی اس لئے کہ لڑائی ہوئی تھی۔ اور بعض اماموں نے نماز پڑھانی چھوڑ دی اس لئے کہ بعض مقتدی اس پر ناراض ہیں۔ پھر میں دیکھتا ہوں کہ کئی لوگ ہیں جو کسی دوسرے آدمی کی وجہ سے دینی کام کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ پھر میں دیکھتا ہوں کہ کئی لوگ ہیں جو دینی کاموں میں شرطیں لگاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ سب باتیں نفس کی خرابی کی علامتیں ہیں اور میں اپنے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ تمہارے کام تمہیں سمجھانے میں میرا اپنا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر میں تمہیں کوئی کام کہتا ہوں تو تمہاری ہی ترقی اور تمہارے ہی فائدہ کے لئے کہتا ہوں۔ اس میں میرا اپنا کوئی فائدہ نہیں۔ میرے دل میں یہ نہیں کہ میں صرف اپنی ترقی و عزت چاہوں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ تم جاہل رہو اور سارا کام میری طرف منسوب ہو بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری بھی عزت ہو اور تمہیں بھی ترقی حاصل ہو۔ وہ خلیفہ خلیفہ نہیں ہو سکتا بلکہ وہ نبی نبی نہیں ہو سکتا جب تک اس کی یہ خواہش نہ ہو کہ دوسرے بھی اس کی مانند ہو جائیں۔ پس میں کہتا ہوں کہ اپنے فرائض کو سمجھو تا کہ ترقی کر سکو۔

(الفضل ۷ ر ستمبر ۱۹۲۳ء)